لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ

رضی محمد ولی

موسمِ حج کی آمد آمد ہے' چمنستانِ مکہ میں کرۂ ارض کے ہر قریے' ہر بستی سے رنگ برنگے' خوشبوؤں سے معطر' رنگ و نسل کی تفریق سے عاری لاکھوں پھول کھلنے والے ہیں۔ ان پھولوں میں کالے بھی ہیں گورے بھی' عربی بھی ہیں' عجمی بھی' چھوٹے بھی ہیں اور بڑے بھی' گویا کہ پھولوں کا ایک میلہ لگنے جا رہا ہے۔ ایک ایسا میلہ جو ہر دیکھنے والی آنکھ کو بھلا لگتا ہے اور محوِ حیرت کر دیتا ہے۔ نہ جانے کتنے ہی اس میلے میں شرکت کے متمنی اپنی حسرتِ ناتمام کو سینے سے لگائے اس جہانِ فانی سے کوچ کر گئے' اور ان گنت ایسے ہیں جو آج بھی ماہیِ بے آب کی مانند تڑپ رہے ہیں۔ ایسے میں یقیناً خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنھیں ربّ کائنات نے اپنا مہمان ہونے کا شرف بخشا۔

اللہ کا یہ ہر مہمان جب رختِ سفر باندھتا ہے تو بے ساختہ' فرطِ جذبات سے پکار اُٹھتا ہے کہ لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ (حاضر ہوں اے اللہ' میں حاضر ہوں)۔ لوگ بڑے چاؤ سے اس در پر آتے ہیں' ساری توجہ مرکوز کر لینے کے لیے' زندگی کے چند لمحات کو انمول کر لینے کے لیے۔ یہاں کچھ بھی اہم نہیں اگر اہم ہے تو فقط ایک حاضری' حضوری کا احساس۔ لیکن ہم حاضر ہو کر بھی غیر حاضر رہتے ہیں۔ اُمت وسط کے شہسوارو! ذرا ٹھیرو......اور لمحے بھر کو سوچو کہ تم جو پکار رہے ہو کہ حاضر ہوں اے اللہ' میں حاضر ہوں!!! کیا اس کا ادراک رکھتے ہو؟ کیا تمھیں پتا ہے تم اپنے معبود کے حقیقی معبود ہونے کا اقرار کر رہے ہو؟ کیا یہ بھی جانتے ہو کہ تم تمام باطل معبودوں کی نفی کر رہے ہو؟

اگر تمھارا جواب نہیں میں ہے' تو سنو!

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ، حاضر ہوں اے اللہ' میں حاضر ہوں!

لفظ اللہ جس کی مالا جپتے جپتے تمھارے منہ نہیں تھک رہے' یہ لفظ اِلٰہ سے نکلا ہے۔ الٰہ کے معنی معبود کے

ہوتے ہیں' وہ معبود جس کی پرستش کی جائے' جسے پوجا جائے۔ وہ خدا پوری کائنات کا مالک ہے۔ خالق وہ ہے' رزاق وہ ہے' موت اور زندگی اس کی طرف سے ہے' مصیبت اور راحت بھی اسی کی طرف سے ہے' جو کچھ کسی سے چھینا جاتا ہے اس کا چھیننے والا بھی حقیقت میں وہی ہے۔ ڈرنا چاہیے تو اس سے' مانگنا چاہیے تو اس سے' سر جھکانا چاہیے تو اس کے سامنے' عبادت اور بندگی کی جائے تو اس کی۔ اس کے سوا ہم کسی کے بندے اور غلام نہیں اور اس کے سوا کوئی ہمارا آقا نہیں۔ ہمارا اصل فرض یہ ہے کہ اسی کا حکم مانیں اور اسی کے قانون کی پیروی کریں۔ یاد رکھو! اگر ہم اس کے قانون کی خلاف ورزی کریں گے تو ہماری زبان' ہمارے ہاتھ پاؤں' اور زمین و آسمان کا ذرہ ذرہ' ہمارے خلاف اللہ کی عدالت میں گواہی دے گا۔ ایسی بے بسی ہوگی کہ ایک گواہ بھی صفائی پیش کرنے کے لیے نہ ملے گا۔ کوئی وکیل پیروی کرنے والا نہیں ہوگا۔ وہ عدالت ایسی نہیں ہے جہاں جھوٹی گواہیاں اور جعلی دستاویزات پیش کر دی جائیں اور فیصلہ اپنے حق میں کرا لیں۔ وہاں رشوت بھی نہیں چلتی' اس لیے ناانصافی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ اللہ سورۂ تین میں خود کہتا ہے: اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِیْنَ (التین ۸:۹۵) ''کیا اللہ سب حاکموں (انصاف کرنے والوں) سے بڑا حاکم (منصف) نہیں ہے''۔

مگر تم نے تو کہیں اپنی نفسانی خواہشات کو معبود بنا رکھا ہے' کہیں مال و متاع کو' کہیں اپنے سے طاقت ور کو' کہیں اپنی مصلحتوں کو۔ خود غور کرو' کس معبود سے مخاطب ہو؟ اُس سے جو ہر وقت تمھارے ساتھ ہے۔ اس سے جو تمھاری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے' یا اس سے جس کا نبیؐ ہجرت کے موقع پر اپنے ساتھی (ابوبکرؓ) کی پریشانی دیکھ کر کہتا ہے: ابوبکرؓ! ایسے دو آدمیوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے' جن کا تیسرا اللہ ہے۔

آج تک جس نے بھی اُس کی حاضری کا دم بھرا ہے اُس کے لیے یہ زمین کانٹوں کا بچھونا ثابت ہوئی ہے۔ وہ صرف اس سفرِ مقدس میں حاضر نہیں ہے بلکہ ہماری حاضری تو وہ روز بلکہ ہر لمحے لگواتا ہے۔ دن میں پانچ بار مؤذن اس کے دربار میں حاضری کی یاد دلاتا ہے۔ جب وہ اپنی اذان میں پہلا لفظ کہتا ہے اللّٰہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے)' یعنی اس نے بلایا ہے جو سب سے بڑا ہے۔ اُس سے بڑا اس کائنات میں کوئی نہیں ہے' لہٰذا سب کام کاج چھوڑ دو' سب کھیل کود چھوڑ دو' سب سے ملنا جلنا چھوڑ دو' بڑے نے بلایا ہے۔ بالکل اسی طرح جب کسی کمپنی میں کوئی شخص کام کر رہا ہو اور بہت زیادہ مصروف ہو' ایسے میں کچھ دوست آ جائیں تو کہتا ہے: یار! بعد میں آ جانا مصروف ہوں' بہت ضروری کام ہے آج ہی ختم کرنا ہے۔ اگر گھر سے بیوی یا بچے فون کر لیں تو ان سے بھی وہی کہتا ہے جو دوست سے کہا تھا کہ بعد میں فون کر لینا کیونکہ ابھی بہت مصروف ہوں۔ لیکن ایسی مصروفیت میں اگر کوئی پیغام دے کہ کمپنی کے چیف ایگزیکٹیو یا مینیجنگ ڈائرکٹر' یا جنرل مینیجر بلا رہا ہے' تو ایسے میں کام کرنے والا سب کچھ ویسے ہی چھوڑ دیتا ہے جیسا کہ رکھا ہوا ہے۔ وہ اتنا انتظار بھی نہیں کرتا کہ اپنی چیزوں کو تو سمیٹ

کر رکھ جاؤں' اور بھاگ کر جاتا ہے۔ اور ایسے ہی نہیں جاتا بلکہ اپنا حلیہ درست کرتا ہے' بالوں میں جلدی سے کنگھی کرتا ہے' نہ ہو تو ہاتھوں سے درست کرتا ہے' کپڑوں کی سلوٹیں درست کرتا ہے اور فوراً حاضر ہو جاتا ہے۔

بالکل اسی طرح جب مؤذن اذان دیتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اللہ نے اپنا دربار سجالیا ہے اور اب تمھاری حاضری کا وقت ہے۔ بڑے نے بلالیا ہے۔ پھر جب تم اپنے کاروبار میں لین دین کر رہے ہوتے ہو اور کبھی ناپ تول میں ڈنڈی مار رہے ہوتے ہو تو وہ اُس وقت بھی حاضر ہوتا ہے۔ جب تم کسی کا حق دینے میں لیت ولعل سے کام لے رہے ہوتے ہو' تب بھی وہ حاضر ہوتا ہے۔ جب تم کسی کام کے عوض رشوت سے اپنے ہاتھوں کو ناپاک کر رہے ہوتے ہو' تب بھی وہ حاضر ہوتا ہے۔ جب تم بات کرنے میں جھوٹ بول کر اپنی زبان کو گندا کر رہے ہوتے ہو' تب بھی وہ حاضر ہوتا ہے۔ جب تم کسی سے وعدہ کر کے جان بوجھ کر پورا نہیں کر رہے ہو تے ہو' وہ تب بھی حاضر ہوتا ہے۔ جب تم کسی قسم کی خیانت کر رہے ہوتے ہو چاہے مال میں ہو یا شہادت دینے میں' تب بھی وہ موجود ہوتا ہے۔ جب تم سود کو طرح طرح کے حیلوں بہانوں سے جائز کر رہے ہوتے ہو' تب بھی وہ دیکھ کر تمھاری عقل پر مسکرا رہا ہوتا ہے۔ جب تم کسی کو اپنے سے حقیر جان کر تکبر کے نشے میں مست ہوتے ہو اور اپنی انا کے بُت کو ٹوٹنے نہیں دیتے' اُسی طرح جس طرح ابلیس' فرعون' نمرود اور ان جیسے بہت سوں نے اپنی انا کو قائم رکھا تھا' وہ اُس وقت بھی تمھاری نادانی پر افسوس کر رہا ہوتا ہے۔ غرض زندگی کے ہر ہر قدم پر وہ تمھارے ساتھ سائے سے بھی زیادہ قریب ہوتا ہے۔ لہٰذا حاضری کے تصور کو آج کی طرح ہمیشہ تازہ رکھنا' تب ہی کامیاب رہو گے۔

لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ ، حاضر ہوں' نہیں کوئی شریک تیرا' میں حاضر ہوں!

رب کے لاشریک ہونے کا یہ اقرار صرف زبان سے نہ ہو بلکہ دل کی گہرائیوں سے ہو۔ اگر صرف زبان سے ہوا تو تمھیں منافقین کی صفوں میں لا کھڑا کرے گا' اور پھر ایک دن اسفل السافلین میں ٹھکانا پاؤ گے۔ وہ تو بلند ہے اور بلندی کے اس درجے پر ہے کہ کسی کو بھی ہم پلہ برداشت نہیں کر سکتا اور نہ اپنی ذات کے شرک کو برداشت کرتا ہے۔ وہ تو لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ (ہے)' نہ اُس نے کسی کو جنا اور نہ ہی وہ کسی سے جنا گیا (الاخلاص ۱۱۲:۳)۔ گویا نہ اس کا کوئی بیٹا یا بیٹی ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہی ہے۔ وہ اپنی صفات کے شرک کو بھی برداشت نہیں کرتا ہے۔ وہی اس کائنات کو تنہا تخلیق کرنے والا ہے بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ' اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ (الانعام۶:۱۰۱)''وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے' اُس کا کوئی بیٹا کیسے ہو سکتا ہے' جب کہ کوئی اُس کی شریکِ زندگی ہی نہیں ہے' اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے''۔ وہی رزق فراہم کرتا ہے' وہی غریب نواز ہے' وہی داتا ہے' وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے'

وہی دُعاؤں کا سننے والا ہے۔ وہ خود کہتا ہے: وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ط اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ لا (البقرہ ۲:۱۸۶) ''جب میرے بندے میرے بارے میں تجھ سے سوال کریں تو کہہ دے کہ میں بہت ہی قریب ہوں، ہر پکارنے والے کی پکار کو جب کبھی وہ مجھے پکارے میں قبول کرتا ہوں''۔ لہٰذا یہ اُس کا حق ہے کہ اس کے احکامات میں کسی کو شریک نہیں کیا جائے۔ اس کی بتائی ہوئی ہدایت کے مطابق انفرادی، خانگی اور اجتماعی زندگی گزاری جائے۔ وہ جس چیز سے کہہ دے رُک جاؤ تو رک جایا جائے اور جس کام کے کرنے کا وہ حکم دے دے تو بے چوں وچرا کر گزرا جائے، چاہے اس کے لیے پوری دنیا کی مخالفت ہی مول لینی پڑے۔ اگر اس کے احکامات سے تم روگردانی کروگے تو گویا تم نے اس کو لاشریک نہیں مانا۔ اگر مصلحتوں کے تحت اس کی حکم عدولی کی تو سمجھو اپنی مصلحتوں کو اللہ مانا، اپنی خواہشات کے آگے ہتھیار ڈال کر اس کی حکم سے روگردانی کی تو گویا خواہشات کو شریک بنایا، کسی سے ڈر کے اس کے حکم کو پسِ پشت ڈالا تو جان لو تم اس کے سوا جس سے ڈرے، چاہے وہ کوئی شخص ہو یا اقوام، اسے اللہ کا شریک بنایا۔

وہ تو یہ بھی برداشت نہیں کرتا کہ اس کا بتایا ہوا کام دوسروں کو دکھانے کے لیے کرو کیونکہ بظاہر تو وضع قطع یا حرکات وسکنات سے نظر یہ آتا ہو کہ اس کے بتائے ہوئے حکم کی پابندی کر رہے ہو، لیکن دراصل اس کے پیچھے مقصد یہ کارفرما ہو کہ فلاں دیکھ کر میری تعریف کرے، مجھے پارسا کہے، متقی کہے، شجاع کہے، سخی کہے یا بہادر کہے، تو یاد رکھو تم نے جس کو دکھانے کے لیے وہ کام کیا، مثلاً نماز پڑھی کہ لوگ مجھے نمازی کہیں، خیرات دی کہ لوگ مجھے سخی کہیں، حج اس لیے کیا کہ لوگ حاجی صاحب کہیں، زکوٰۃ اس لیے دی کہ جس کو دی وہ مرعوب رہے، جہاد میں حصہ اس لیے لیا کہ فوج میں ترقی ہو یا محلّہ، گاؤں، قصبہ یا شہر میں بہادری کا عنوان کہلاؤ یا حکومتِ وقت سے کوئی تمغہ ملنے کی امید تھی، کوئی درس وتدریس کا کام محض اس لیے کیا کہ لوگ عالم کہیں، مفتی کہیں، سادہ لباس اس لیے زیب تن کیا کہ لوگ متقی کہیں، اللہ والا کہیں، یا اسی طرح کا کوئی اور بظاہر نیک کام کیا تو فعلاً جسے دکھانے کے لیے وہ کام کیے انھیں اس کی خدائی میں شریک کیا ور ایسے لوگوں کے لیے اُس نے ایک حدیث کے مطابق فیصلہ کر دیا ہے کہ منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں داخل کردوں گا۔

اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ، بلاشبہ تمام تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں اور نعمتیں سب تیری ہیں!

اللہ کو وَحدہٗ لَاشَرِیْکَ ماننے کے اقرار کے بعد اب تم اس بات کا اقرار کر رہے ہو کہ تمام تعریفیں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، یعنی ساری بڑائی اسی کے لیے ہے اور جو بھی نعمتیں اس کائنات میں پائی جاتی ہیں سب اس ہی کی جانب سے ہیں۔ تھوڑی دیر رک کر انسان خود اپنی ہی مثال لے لے۔ اس کو زندگی کے لیے ہوا، پانی، روشنی، آگ، غذا، شفا، غرض اس طرح کی اور بے شمار چیزیں جن کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا، عطا کیں۔ پھر اس کے

علاوہ انسان اپنے جسم کو دیکھے۔ اللہ نے اس کو کام کرنے لیے دو ہاتھ، چلنے کے لیے دو ٹانگیں، سونگھنے کے لیے ناک، دیکھنے کے لیے آنکھیں، چکھنے اور بولنے کے لیے زبان، جسم کی مضبوطی قائم رکھنے لیے ہڈیوں کا ایک مکمل ڈھانچا عطا کیا۔ اگر صرف ہڈیاں ہوتیں، اور اس جسم پر گوشت اور کھال نہ ہوتی تو اس کے اندر جو مشینری لگی ہوئی ہے اس کی موسمی اثرات اور دھول مٹی سے حفاظت ممکن نہیں تھی۔ رگوں میں زندگی کی رمق قائم رکھنے والا خون، اور اس خون کی پمپنگ کے لیے دل، فاضل پانی جسم سے خارج کرنے کے لیے گردوں اور مثانے کا نظام، خون کی پیدائش کے لیے جگر، کھانے کو ہضم کرنے کے لیے معدہ اور آنتوں کا جال، غرض جس جس چیز کی بھی ضرورت ایک جان دار کو ہو سکتی تھی سب اس نے مہیا کردیں۔ وہ فرماتا ہے: الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَاۗءَ رَكَّبَكَ ۝ (الانفطار ۸۲: ۷-۸) ”(اے انسان) جس (اللہ) نے تجھے پیدا کیا، تجھے نِک سُک سے درست کیا، تجھے متناسب بنایا، اور جس صورت میں چاہا تجھ کو جوڑ کر تیار کیا“۔ ایک اور جگہ فرمایا: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین ۹۵: ۴) ”ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا“۔

اُس پروردگار نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ انسان کو بنا دیا اور بس، بلکہ اُس کے لیے نباتات اُگائیں تاکہ ان سے اپنی غذائی ضروریات پوری کرے، ان سے خارج ہونے والی آکسیجن سے روح کا رشتہ جسم کے ساتھ قائم رکھ سکے، اس سے حاصل ہونے والی لکڑی سے اپنی ضروریات اور آسایش کے لیے فرنیچر تیار کر سکے، اس کے تنے کی چھال سے کاغذ تیار کر سکے تاکہ علم کی پیاس بجھانے میں معاون و مددگار بنے، اس میں سے کچھ کو دوا بنا دیا۔ پھر حیوانات اس کی خدمت کے لیے بنا دیے جن سے وہ اپنی غذا کے لیے گوشت میں شامل پروٹین اور وٹامن حاصل کر سکے، ان جانوروں کی جلد سے اپنے لیے لباس تیار کر سکے۔ آوارہ بادلوں کا ایک وسیع نظام قائم کیا جو ہر موسم میں اس انسان کے لیے سمندر سے پانی جمع کر کر کے لاتے اور برساتے ہیں۔ پھر سمندر، دریا، پہاڑ، آسمان، سورج، چاند ستارے، آسمان پر اوزون کی تہہ، غرض اسی طرح پوری کائنات میں بے شمار خزانے اس کے لیے جمع کر دیے اور چیلنج کر دیا کہ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ (الرحمٰن ۵۵: ۱۳) ”پس تم اپنے پرودگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے“۔ اور ایک اور جگہ انسان کو اس کی حیثیت یاد دلا دی کہ تو ایک انسان ہی ہے، میرا بندہ ہے، میرا محتاج ہے، میں نے علم بھی تجھ کو دیا لیکن اتنا ہی جتنا تو برداشت کر سکے۔ تو دعوے تو بڑے کرتا ہے لیکن ابھی تو تیرا حساب بھی اس قابل نہیں کہ اس کی نعمتوں کو گنتی کر لے۔ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ط (ابراھیم ۱۴: ۳۴) ”اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنو تو تم اُن کا پورا شمار نہیں کر سکتے“۔

اے ضیوف الرحمٰن! تمھارا فرض ہے اتنے اعلیٰ رب کا شکر اپنے قول و فعل سے خود بھی ادا کرو اور اس کی تلقین دوسروں کو بھی کرو۔ اگر تم اُنے ایسا نہ کیا تو وَالْعَصْرِ

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (العصر:۱-۲) ”زمانے کی قسم! یقیناً انسان خسارے میں ہے“ کی تفسیر بن جاؤ گے اور اللہ نہ کرے تم اس کی تفسیر بنو کیونکہ اس کی تفسیر بننے والوں کے بارے میں فیصلہ لکھ دیا گیا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِیَھْدِیَھُمْ طَرِیْقًا ○ اِلَّا طَرِیْقَ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ط (النساء ۴:۱۶۸-۱۶۹) ”بے شک جن لوگوں نے کفر و بغاوت کا طریقہ اختیار کیا اور ظلم و ستم پر اُتر آئے اللہ ان کو ہرگز معاف نہیں کرے گا اور انھیں کوئی راستہ بجز جہنم کے دکھائی نہ دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے“۔

لَكَ وَالْمُلْك ، ساری بادشاہی تیری ہے!

لہٰذا یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ جس رب نے بے حساب نعمتوں سے نوازا وہی بالآخر تعریف کا مستحق ہے‘ وہی اس لائق ہے کہ اس کی پرستش کی جائے اور وہی بادشاہی کا اصل حق دار ہے۔ بادشاہ وہی ہوتا ہے جس کا قانون چلتا ہے‘ جو نظام کا بنانے والا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ جو بھی کوئی نظام بنائے وہ سب اس کے نظام میں ترامیم و اضافے ہوتے ہیں۔ عقل کو دیکھیں کیا کہتی ہے؟ اس دنیا میں ہم دیکھتے ہیں جب بھی کوئی کمپنی نئی مصنوعات بناتی ہے‘ جیسے الیکٹرونکس‘ میکینکل مصنوعات وغیرہ تو اس کو فروخت کرتے وقت ہر خریدار کو ایک عدد کتابچہ فراہم کرتی ہے۔ اس میں اس کے استعمال کی تمام ہدایات درج ہوتی ہیں۔ جب تک ہم بنانے والے کی ہدایت پر عمل نہیں کریں گے کوئی بھی چیز ہمارے لیے بے کار ہے۔

اسی پر قیاس کریں کہ ایک انسان جس کو عقل بھی اللہ نے دی‘ کام کرنے کی صلاحیت بھی اللہ نے دی‘ کار اور اس جیسی اربوں مصنوعات بنانے کا انداز اور وسائل بھی اسی نے فراہم کیے تو کیا وہ رب اتنی بڑی دنیا بنا کر انسان کو اندھیرے میں چھوڑ دے گا‘ اور اس کو یہ نہیں بتائے گا کہ اس دنیا کو کس طرح استعمال کرے‘ یہاں کس طرح رہے۔ یقیناً ہمارا جواب نفی میں ہوگا۔ اُس رب نے جو دانا ہے‘ بینا ہے‘ سب جہانوں کا بادشاہ ہے‘ اسی نے اتنی بڑی کائنات کو بنایا اور اس کائنات کے چھوٹے سے حصے دنیا میں انسان کو بسایا اور اس کو اس میں رہنے کے آداب سکھانے کے لیے‘ اس دنیا کو درست انداز میں استعمال کرنے کے لیے‘ اس سے فائدے حاصل کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً انسانوں ہی میں سے اپنے نمایندے بھیجتا رہا جس طرح دنیاوی حکمران اپنے سرکاری افسروں کو بھیجا کرتے ہیں۔ یہ نمایندے مختلف اوقات میں ضرورت اور حالات کے مطابق اس وقت تک مختلف شریعتیں لاتے رہے۔ بالآخر اس نے اپنا آخری ہدایت نامہ انسانوں کو عطا کیا جسے آج دنیا ’قرآن‘ کے نام سے جانتی ہے۔

یہ قرآن رہتی دنیا تک کے لیے ایک مکمل دستور قرار پایا۔ اس میں انسانوں کے لیے چھوٹی بڑی تمام ہدایات درج کر دی گئیں۔ وہ تمام قانون وضع کر دیے گئے جن کی ضرورت انسان کو پڑ سکتی تھی‘ جیسے اخلاقی قوانین‘

معاشی قوانین، عائلی قوانین، جنگ کے قوانین، قانونِ شہادت، قانونِ قصاص و دیت، قانونِ وراثت، قانونِ عدل، غرض یہ کہ جس قسم کی ہدایت اور راہنمائی انسان کو درکار تھی اس نے اپنے اس آخری دستور میں تفصیلی وضاحت کردی اور زندگی کا ایک گوشہ بھی ایسا نہیں رہنے دیا جس میں تشنگی چھوڑی ہو۔ اسی لیے اسے قرآنِ مبین کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، یعنی ایک کھلی کتاب۔ جہاں کہیں ضرورت محسوس ہوئی اس کے قانونی نمایندے نے ان دفعات یا شقوں کی وضاحت کردی اور اس وضاحت کو اسلامی اصطلاح میں حدیثِ نبویؐ کہا گیا۔ پھر حدیث بھی دو طرح کی ہوئی۔ ایک تو قانونی نمایندے حضرت محمدؐ نے قولاً تشریح کردی اور انسان کو یہ بتانے کے لیے کہ ان قوانین پر عمل ناممکن نہیں، عملاً قرآن کی چلتی پھرتی تصویر بن کر دکھایا۔

یہ اس رب نے اس لیے کیا کہ وہ اس دنیا کا بنانے والا ہے، لہٰذا اس پر حکمرانی بھی اسی کی ہونی چاہیے، حاکمِ بالا وہی ہے۔ اگر کوئی اور اس کی دنیا کے قانون کو بنانے کی کوشش کرے گا وہ فطرت سے ٹکرائے گا اور فساد کا سبب بنے گا کیونکہ وہ دنیا کے تمام پیچ وخم سے واقف نہیں ہوگا۔ چاہے وہ دنیا کا کوئی بادشاہ ہو، پارلیمنٹ ہو، سینٹ ہو یا کچھ اور۔ اس لیے آج لَكَ وَالْمُلْك کی گردان کرنے والو! یہ بات اچھی طرح اپنے ذہنوں میں رکھو کہ تمھارا یہ کہنا کہ بادشاہی بھی تیری (اللہ کی) ہے، اسے عملی طور پر اپنے اوپر نافذ کر کے دکھاؤ اور جہاں جہاں خودساختہ ربّ اس کے قانونِ فطرت کی دھجیاں بکھیر رہے ہوں، تمھارا فرض ہے کہ ان کا راستہ آگے بڑھ کر روک دو۔ اگر ایسا نہیں کرسکتے تو اپنے منہ اور قلم کی حد تک اس حجت کو ضرور تمام کرو، اور تم ایسا بھی نہیں کرسکتے جو کہ آج کے دور میں مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں تو کم از کم ان کے ہم نوا نہ بن جاؤ اور دل سے برا جانو، تب ہی تم ایمان کا آخری درجہ پاسکو گے۔

اگر تم ایسا نہ کرسکے تو اللہ کو تمھارے دُور دراز سفر کرنے کی، تمھاری مشقت برداشت کرنے کی، تمھارے مال خرچ کرنے کی، بھاگ دوڑ کی کوئی حاجت نہیں وہ تو الصمد (بے نیاز) ہے۔ تمھارے اعمال کی قبولیت کی اولین شرط تمھاری نیتوں کا خالص ہونا ہے۔ جس کی نیتیں خالص نہ ہوں ان کا ابدی ٹھکانا جہنم کا بھی سب سے نچلا اور بھیانک درجہ قرار پاتا ہے۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ۝ (النساء ۴:۱۴۵) ''یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں جائیں گے اور تم کسی کو اُن کا مددگار نہ پاؤ گے''۔ غور کرتے رہو کہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ تم تو کہہ رہے ہو لَا شَرِيْكَ لَكَ ۔ تیرا کوئی شریک نہیں (اس بادشاہی میں) لیکن عملی دنیا میں اس کے دین کی دھجیاں بکھرتے ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر رہے ہو___ خدارا لوٹ آؤ......لوٹ آؤ......لوٹ آؤ......موت کی آخری ہچکی سے پہلے لوٹ آؤ، اور یقین کرلو کہ وہ تَوَّابُ الرَّحِيْمُ ہے۔